اس لیے کہ زبان کی گنجائشیں لامتناہی ہو سکتی ہیں اور معنی آرائی میں خیال کو مہمیز لگ سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خطرہ تو موجود رہتا ہے لیکن اس کا انسداد صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ زبان کے استعمال کے جو قواعد ہیں ان کو سختی سے برتا جائے اور معاشرہ کے مجموعی رد و قبول کو معیار سمجھ کر اجتہادوں پر نکلنے والے معانی کو یا تو رد کر دیا جائے یا محض ایک انتہا پسندانہ خیال تصور کیا جائے۔ ایسا معاشرتی علوم میں ہوتا رہا ہے اور یہی اصول سبھی نظریاتِ زندگی کے مسائل کے استنباط میں کامیابی سے برتے رہے ہیں۔

علامہ خازن اور ان کی تفسیر

لباب التاویل فی معانی التنزیل۔ ایک تعارف

مفتی محمد اسماعیل نورانی
مفتی جامعہ انوار القرآن، گلشن اقبال کراچی

علامہ خازن کا مکمل نام علاؤ الدین ابو الحسن علی بن محمد بن ابراہیم خازن ہے۔ نسبت آپ کی صوفی اور بغدادی ہے۔ آپ کو خازن کے نام سے شہرت اس لیے ملی کہ دمشق کی ایک خانقاہ کی لائبریری کے انچارج تھے۔ عربی میں خازن الکتب لائبریرین کو کہتے ہیں۔

آپ ۶۷۸ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ مسلکاً شافعی تھے۔ بغداد ہی میں ابن الدوالیبی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ پھر دمشق میں آ کر قاسم بن مظفر اور وزیرہ بنت عمر سے استفادہ کیا۔ تعلیم و تعلم سے بہت زیادہ شغف اور دلچسپی رکھتے تھے۔ تاریخ نگار بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک بلند پایہ عالم اور بہت بڑے مصنف تھے۔ آپ نے اپنی بعض تصانیف خود اپنے شاگردوں کو پڑھائیں۔ مختلف علوم و فنون میں آپ نے کئی تصانیف یادگار چھوڑیں معروف تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) لباب التاویل فی معانی التنزیل۔ (یعنی تفسیر خازن)

(۲) مذہب شافعی کی کتاب عمدۃ الاحکام کی شرح

(۳) مقبول المنقول: یہ دس ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب ہے۔ اس میں علامہ خازن نے مسند احمدؒ

مسند شافعی صحاح ستہ موطا امام مالک اور سنن دار قطنی کو یکجا کر دیا ہے اور ابواب کے تحت مرتب کیا ہے۔

(۴) سیرت النبی (ﷺ): یہ بھی ایک مبسوط اور ضخیم کتاب ہے۔

علامہ خازن علیہ الرحمہ کا شمار اہل تصوف میں ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ کی نسبت صوفی ہے۔ آپ خوش مزاج اور انس کرو شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے ۷۴۱ھ عمر ۷۳ سال میں بمقام حلب میں وصال فرمایا۔ تفسیر خازن جو دار الکتب العلمیہ' بیروت سے طبع ہوئی ہے اس پر علامہ کا سال وصال ۷۲۵ھ لکھا ہوا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ مستند کتب تاریخ میں آپ کا سال وصال ۷۴۱ھ ہے۔ صاحب کشف الظنون کی تصریح کے مطابق ۷۲۵ھ علامہ خازن کے تفسیر سے فراغت کا سال ہے اور وصال ۷۴۱ھ میں ہے۔

(علامہ خازن کے حالات کے لئے دیکھئے الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ ج ۳ ص ۹۷ رقم الحدیث: ۲۲۱ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۵۰ھ (از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی ۸۵۲ھ)' کشف الظنون ج ۲ ص ۱۵۴۰ مطبوعہ تہران ۱۳۷۸ھ (از حاجی خلیفہ)' ہدیۃ العارفین و آثار المصنفین ج ا ص ۷۱۸ مطبوعہ تہران ۱۳۷۸ھ (از اسماعیل پاشا البغدادی)' طبقات المفسرین ص ۲۹۷ مطبوعہ مدینہ منورہ ۱۴۱۷ھ (از احمد بن محمد من علماء القرن الحادی عشر)' تاریخ تفسیر و مفسرین ص ۵۷۵ مطبوعہ فیصل آباد (از غلام احمد حریری)

تفسیر خازن کا مقام

تفسیر خازن کا اصل نام "لباب التاویل فی معانی التنزیل" ہے۔ (یعنی قرآن مجید کے معانی کی جو تفاسیر بیان کی گئی ہیں ان کا لب لباب اور خلاصہ) نام سے ظاہر ہے کہ یہ تفسیر قرآنی آیات کی مختلف تفاسیر کی جامع اور ان کا خلاصہ ہے۔ بعض مؤرخین نے اس تفسیر کو زیادہ اہمیت نہیں دی ہے۔ حالانکہ فی الواقع یہ تفسیر بہت مفید اور فہم قرآن کا بہترین ذریعہ ہے۔ بنیادی طور پر اس تفسیر کے مشمولات امام بغوی (متوفی ۵۱۶ھ) کی تفسیر معالم التنزیل' امام ابن جریر (متوفی ۳۱۱ھ) کی جامع البیان اور امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کی تفسیر کبیر سے ماخوذ ہیں۔ اور ان تینوں تفاسیر کو اہل علم کے درمیان مرتبہ قبول اور مقام استناد و اعتماد حاصل ہے۔ لہٰذا تفسیر خازن جو ان تینوں تفاسیر کا بہترین مجموعہ ہے وہ بھی یقیناً معتمد اور مستند شمار ہوگی۔ علامہ خازن علیہ الرحمۃ نے تفسیر کے مقدمہ میں خود فرمایا ہے کہ "اس تفسیر میں میرا ذاتی کوئی عمل دخل نہیں ہے' یہ صرف اخذ و انتخاب پر مشتمل ہے"۔ بعض اصحاب تاریخ نے اس تفسیر کو جو زیادہ اہم نہیں گردانا ہے اس کی وجہ وہ واقعات اور اسرائیلی روایات ہیں جو علامہ خازن نے تفسیر بغوی' تفسیر ثعلبی اور بعض دیگر کتب روایات سے اپنی تفسیر میں نقل کر دی ہیں اور ماسوا چند مقامات کے ان واقعات پر کوئی

بحث و تمحیص اور جرح بھی نہیں کی۔ لیکن ظاہر ہے کہ پوری تفسیر کے مقابلہ میں واقعات اور اسرائیلیات کا حصہ قلیل ہے اور کثیر حصہ احادیث رسول ﷺ' اقوال صحابہ و تابعین' استنباط مسائل' مفاہیم آیات' معانی الفاظ' مذاہب ائمہ اور مفید سوالات و جوابات اور دیگر خصوصیات پر مشتمل ہے' جس کی بنیاد وہی مستند تفاسیر ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا۔ دوسرا یہ کہ بعض علماء کا کسی تفسیر یا کتاب کو غیر مستند قرار دینا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ کتاب واقعۃً غیر مستند اور غیر اہم ہو۔ اعتراض کرنے کو تو تفسیر کبیر پر بھی اعتراض کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ حاجی خلیفہ کی صراحت کے مطابق بعض علماء نے یہاں تک کہا کہ "فیہ کل شئی الا التفسیر"۔ (تفسیر کبیر میں سب کچھ ہے تفسیر نہیں ہے۔) (کشف الظنون ج ا ص ۴۳۰) لیکن ظاہر ہے کہ جنہوں نے تفسیر کبیر کا مطالعہ کیا ہے وہ اس کے مقام و مرتبہ سے خوب واقف ہیں۔ دور حاضر کی تفاسیر میں میرے استاذ محترم علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ کی تفسیر (تبیان القرآن) انتہائی جامع اور مدلل تفسیر ہے' لیکن تنقید و جرح سے وہ بھی محفوظ نہیں رہی۔ یہی حال راقم کے نزدیک تفسیر خازن کا بھی ہے کہ اس کو اگرچہ مؤرخین نے زیادہ اہمیت کا حامل قرار نہیں دیا لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے اور دل کی بات یہ ہے کہ راقم نے ترجمہ کرکے اس تفسیر کی لذت محسوس کرلی ہے اور (غالب طور پر) اس کے مشمولات کو بہت ہی عمدہ اور قوی پایا ہے۔ قارئین بھی اس کا مطالعہ کریں اور جو عربی زبان سے واقف ہیں وہ اصل کتاب سے بھی استفادہ کریں (البتہ جہاں علامہ خازن مذہب شافعی کی قوت ثابت کریں اور احناف پر اعتراضات کریں وہاں زیر نظر ترجمہ اور حواشی کو ملاحظہ کرلیا جائے)۔

راقم نے ترجمہ کے دوران تفسیر خازن کو جن خصوصیات اور قابل ذکر باتوں پر مشتمل پایا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) ابتداء میں اشارۃً عرض کیا جاچکا ہے کہ کئی تفاسیر کے مقابلہ میں یہ تفسیر مختصر ہونے کے ساتھ متن قرآن کریم کی تفہیم اور حل کے لیے بہترین ممد و معاون ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس تفسیر کی عبارت مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت آسان ہے۔ علامہ خازن نے بنیادی طور پر اس تفسیر میں افادیت کو پیش نظر رکھا ہے اور حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ عبارت زیادہ طویل اور گنجلک نہ ہو۔ حتیٰ کہ انہوں نے احادیث کی سند کو صرف اس لیے ذکر نہیں کیا کہ عام قارئین کے لیے علی العموم اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ البتہ اپنے جذبۂ افادیت کے پیش نظر سند کی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اکثر مقامات پر احادیث میں آنے والے مشکل الفاظ اور دیگر متعلقہ امور کی تشریح کردی ہے۔ مقدمہ میں آپ اصحاب تصنیف کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "جو شخص بھی کسی فن میں کوئی کتاب تالیف کرے اسے

چاہیے کہ اس کی کتاب میں پانچ باتیں ضرور ہوں:

(۱) مغلق اور پیچیدہ باتوں کو کھول کر علیحدہ وبیان کیا جائے۔

(۲) بکھری ہوئی باتوں کو یکجا کر دیا جائے۔

(۳) مشکل مقامات کی تشریح کی جائے۔

(۴) اول تا آخر حسن ترتیب کو قائم رکھا جائے۔

(۵) غیر ضروری باتوں اور کسی بات کو بلاوجہ لمبا چوڑا کرنے سے اجتناب کیا جائے"۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ میری اس کتاب میں آپ کو یہ تمام خصوصیات ملیں گی۔

(۲) اس تفسیر میں احادیث نبویہ کا بہت عظیم ذخیرہ موجود ہے۔ حتیٰ کہ کئی مقامات پر باقاعدہ فصل قائم کرکے کثیر تعداد میں احادیث مبارکہ ذکر کی گئی ہیں۔ مثلاً البقرہ: ۱۵۷ کی تفسیر کے بعد علامہ نے مصائب پر صبر کرنے والوں کی فضیلت میں وارد ہونے والی احادیث کو فصل کے تحت یکجا کیا ہے۔ اسی طرح البقرہ: ۱۸۵ کی تفسیر میں ماہِ رمضان اور اس کے روزوں کے فضائل اور البقرہ: ۱۸۶ کی تفسیر میں دعا کے آداب وفضائل میں وارد ہونے والی احادیث کو بھی فصل کے تحت ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی مقامات پر آپ نے فصل قائم کی ہے۔ اس پر مزید خوبی یہ کہ علامہ خازن نے جہاں بھی کوئی حدیث باقاعدہ ذکر کی ہے وہاں اس کا حوالہ (یعنی کتاب کا نام) ذکر کر دیا ہے اور حدیث شریف میں آنے والے مشکل الفاظ کے معانی اور فوائد بھی کئی مقامات پر ذکر فرمائے ہیں۔

(۳) علامہ خازن نے آیات کی تفسیر میں صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال بھی کثرت سے ذکر کیے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ بعض مقامات پر غیر مناسب یا غیر صحیح قول پر تنبیہ یا تردید بھی کی ہے۔ مثلاً آل عمران: ۳۹ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے ایک صفت حصور ذکر فرمائی ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حصور اس شخص کو کہتے ہیں جو مجامعت سے عاجز ہونے کی وجہ سے عورتوں سے کنارہ کش ہو۔ علامہ خازن نے تمام اقوال ذکر کرکے اس قول کا رد کیا ہے اور اس کو منصب نبوت کے خلاف قرار دیا ہے۔ (تفصیل کے لیے متعلقہ آیت ملاحظہ فرمایئے) علاوہ ازیں متعدد اقوال ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر علامہ خازن نے امام ابن جریر طبری یا امام رازی کے حوالے سے تصحیح اور ترجیح کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ یعنی مختلف اقوال میں جو قول صحیح یا اصح یا راجح ہے اس کی نشاندہی کی ہے۔ مثلاً آل عمران: ۱۲۴ کی تفسیر میں پہلے یہ اختلاف ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی

مدد کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ غزوہ بدر میں پورا ہوا یا غزوہ احد میں اور اس اختلاف کے دلائل بھی بیان کیے پھر آخر میں امام طبری کے حوالہ سے "اولی الاقوال بالصواب" کہہ کر اس بات کو ترجیح دی کہ مذکورہ وعدہ غزوہ بدر میں پورا ہوا۔ (تفصیل کے لیے متعلقہ آیت ملاحظہ فرمایئے۔)

(۴) اس تفسیر میں احکام ومسائل کی آیات کے تحت شرعی مسائل پر ابحاث بھی موجود ہیں اس سلسلہ میں علامہ خازن نے عموماً تفسیر کبیر (امام فخر الدین رازی) کا انداز اختیار کیا ہے۔ یعنی ایک عنوان کے تحت مسئلہ کی مختلف جزئیات کو ترتیب وار علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے اور کئی مقامات پر ائمہ اربعہ کے مذاہب بھی بیان کیے ہیں۔ خصوصاً امام شافعی اور امام اعظم ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے اختلاف پر دلائل بھی ذکر کیے ہیں اور چونکہ خود شافعی ہیں اس لیے امام شافعی کے مذہب کی تقویت احناف کے دلائل کی تردید اور احناف پر اعتراضات میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے۔ سورۃ البقرہ کی مختلف آیات کے تحت اس کی متعدد مثالیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

(۵) علامہ خازن نے اس تفسیر میں متعدد مقامات پر آیات کی تفسیر کے ضمن میں مفید سوالات واشکالات قائم کرکے اُن کے جوابات بھی ذکر کیے ہیں اور ہمارے اندازے کے مطابق اس میں بھی علامہ خازن نے تفسیر کبیر کو پیش نظر رکھا ہے۔ کیونکہ جو اعتراضات واشکالات اور اُن کے جوابات وتوجیہات علامہ خازن نے ذکر کیے ہیں وہ علی العموم تفسیر کبیر میں شرح وبسط کے ساتھ موجود ہیں۔ لہٰذا جو حضرات امام فخر الدین رازی کی تحقیقات سے استفادہ نہیں کرپاتے یا نہیں کرسکتے اُن کے لیے تفسیر خازن کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ تفسیر خازن میں اعتراضات وجوابات اور اشکالات وتوجیہات کے چند عنوانات ملاحظہ فرمایئے:

(۱) اس اعتراض کا جواب کہ فرشتے تو معصوم ہیں پھر انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے خلیفہ بنائے جانے پر اعتراض کیوں کیا؟ (البقرہ: ۳۰)

(۲) اس اشکال کا جواب کہ جب اہل مکہ پہلے کفر کر چکے تھے تو پھر اس آیت میں یہودیوں کو پہلے کفر کرنے والے کیسے فرمایا گیا؟ (البقرہ: ۴۱)

(۳) انبیاء کرام کے قتل کو ناحق کیوں فرمایا گیا؟ جبکہ اُن کا قتل یقیناً ناحق ہے؟ (البقرہ: ۶۱)

(۴) مقتول کو گائے کا ٹکڑا مارنے کا حکم کیوں دیا گیا اور بنی اسرائیل کو گائے کے علاوہ کوئی اور جانور ذبح کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟ (البقرہ: ۷۳)

(۵) حضرت ابراہیم واسماعیل (علیہما السلام) نے صرف اپنی اولاد کے لیے دعا کی باقی کے

لیے نہیں کی؟ (البقرہ:۱۲۸)

(۶) دلکش چیزوں میں سب سے پہلے عورتوں کا ذکر کرنے اور اولاد میں صرف بیٹوں کا ذکر کرنے کی وجہ؟ (آل عمران:۱۴)

(۷) اس سوال کا جواب کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کی بشارت پر حیرت کا اظہار کیوں کیا؟ (آل عمران:۴۰)

(۸) صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی کلمہ کیوں قرار دیا گیا جبکہ ساری مخلوق کلمہ کن ہی کے واسطے سے وجود میں آئی ہے؟ (آل عمران:۴۵)

(۹) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی مثل قرار دینے پر اشکال کا جواب۔ (آل عمران:۵۹)

(۲) قرآن کریم کی جن آیات میں سیرت نبویہ کے واقعات کا ذکر آیا ہے ان کی تفسیر میں علامہ خازن نے علی العموم پورا واقعہ تفصیل سے ذکر کیا ہے اور صحیح احادیث کے ذریعہ اس واقعہ کی تائید بھی پیش کی ہے، مثلاً البقرہ:۲۰۷ کی تفسیر میں حضرت خبیب انصاری اور حضرت زید بن دثنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی شہادت کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ آل عمران:۱۰۳ کی تفسیر میں بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کا پورا واقعہ بیان کیا ہے۔ آل عمران:۱۲۱ تا ۱۲۸ اور ۱۴۰ تا ۱۵۵ کے ضمن میں غزوہ بدر اور غزوہ احد کی بہت ساری تفصیلات اور ان کے متعلق متعدد احادیث مبارکہ ذکر کی ہیں۔ علاوہ ازیں آل عمران:۱۶۹ کی تفسیر میں بیر معونہ کا واقعہ صحیحین کی حدیث کی تائید کے ساتھ تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ آگے بعض آیات کے تحت غزوہ بدر صغریٰ اور کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا واقعہ بھی تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

سیرت و مغازی کے ان واقعات کے ساتھ ساتھ علامہ خازن نے کئی مقامات پر گذشتہ انبیاء کرام (علیہم السلام) اور ان کی امتوں کے واقعات بھی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ان واقعات و روایات کو اصطلاح میں ''اسرائیلیات'' کہا جاتا ہے۔ یہ واقعات حق ہیں یا باطل؟ اس کی تفصیل کے لیے اولاً جاننا چاہیے کہ اسرائیلیات کی تین اقسام ہیں:

(۱) بعض اسرائیلی روایات وہ ہیں جن کا صحیح ہونا معتمد اور مستند دلائل سے ثابت ہے۔

(۲) بعض وہ ہیں جو شریعت مطہرہ کے صراحۃً معارض اور خلاف ہیں۔

(۳) اور بعض وہ ہیں جن کا حق اور باطل ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

قسم اول کی روایات شرعاً صحیح ہیں، قسم دوم کی روایات باطل ہیں اور قسم سوم کی روایات مسکوت

عنہا ہیں۔ یعنی ہم نہ ان کی تصدیق کرتے ہیں نہ ان کا رد کرتے ہیں۔ اس قسم سے تعلق رکھنے والے واقعات کو بیان کرنا گوکہ جائز ہے لیکن ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ ان کا بیان قطعاً بے فائدہ ہے۔ علامہ خازن نے سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کی تفسیر میں مجموعی طور پر ۲۰ سے زائد اسرائیلی واقعات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ جن میں ایک کے ماسوا تمام واقعات کا تعلق اسرائیلیات کی تیسری قسم سے ہے یعنی ان کا نہ کسی شرعی دلیل سے ثبوت ہے نہ وہ کسی دلیل شرعی کا معارض ہیں۔ اس لیے ہم پر نہ ان کی تردید لازمی ہے نہ تصدیق۔ البتہ ایک واقعہ ایسا ہے جس کا تعلق اسرائیلیات کی دوسری قسم سے ہے۔ یعنی اس کا مضمون شریعت مطہرہ کے قطعاً معارض اور مخالف ہے جس کی وجہ سے وہ سخت قابل تردید ہے (اس کی تفصیل البقرہ:۱۰۲ کے تحت "ہاروت اور ماروت کے زمین پر بھیجے جانے کا واقعہ" کے عنوان سے ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔) حیرت ہے کہ اس واقعہ کو امام بغوی علیہ الرحمہ نے بھی اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور اس کی کوئی تردید نہیں کی۔ جبکہ علامہ خازن علیہ الرحمہ نے پورے واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد آخر میں بھرپور طریقے سے اس کا رد کیا ہے۔

اسرائیلی روایات پر مذکورہ گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تفسیر خازن میں اسرائیلی روایات ضرور ہیں، لیکن عموماً ان روایات کا تعلق اسرائیلیات کی تیسری قسم سے ہے۔ یعنی ہم ان کی تصدیق اور تردید دونوں سے عاجز ہیں۔ لہٰذا مطلقاً اسرائیلی روایات کی بناء پر تفسیر خازن کو غیر معتمد قرار دینا درست نہیں ہے اس باب میں زیادہ مناسب قول یہ ہے کہ اسرائیلیات کی قسم ثالث کے واقعات کو بیان کرنا گوکہ جائز ہے لیکن علامہ خازن اگر ان واقعات کو قطعاً بیان ہی نہ کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

تفسیر خازن کی خصوصیات کے عنوان سے اب تک جو خصوصیات بالتفصیل ذکر کی جا چکی ہیں۔ جن سے تفسیر خازن کا مقام بہت حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی خصوصیات تفسیر خازن کا حصہ ہیں۔ مثلاً آیات مبارکہ کے واقعۂ نزول اور اس سلسلہ میں مختلف روایات کو کہیں تفصیل اور کہیں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مختلف مقامات پر موقع کی مناسبت سے فرق باطلہ (معتزلہ اور قدریہ وغیرہ) کا رد کیا گیا ہے۔ آیات میں آنے والے مشکل الفاظ پر متعدد جگہ لغت اور اعراب کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ کئی مقامات پر لفظ کے کسی معنی کی تائید میں عربی اشعار بھی پیش کیے گئے ہیں۔ الغرض تفسیر خازن مختصر اور آسان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جامع اور بھرپور تفسیر ہے۔

قرآنی صنائع وبدائع

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ

اسلام نے دنیا کو بے شمار نعمتیں اور بکثرت علوم وفنون عطا کئے کہ دنیا ان سے پہلے آشنا بھی نہ تھی۔ خود قرآن ایک چیلنج پیش کرتا ہے کہ:

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھدآء کم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین٥

ترجمہ: "اور اگر تم شک میں ہو اس سے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو بنا لاؤ اس جیسی کوئی سورت اور لے آؤ اپنے گواہ، اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو"۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القراٰن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً٥

ترجمہ: "آپ فرمادیں کہ اگر انسان اور جن اس بات پر اتفاق کرلیں کہ اس قرآن جیسی کتاب بنائیں تو نہیں بنا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔"

ان آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن اپنی ظاہری اور معنوی خوبیوں کی وجہ سے ہر طرح بے مثل ہے اور یہ حقیقت ہے کہ سبعہ معلقات والے شعراء اور ادباء بھی اس کے متعلق ماھذا قول البشر (یہ انسان کا کلام نہیں ہے) کہنے پر مجبور تھے۔ قرآن کے طفیل میں ادبی لطافت اور عذوبت میں خود عربی ادب میں جلا پیدا ہوئی اور بکثرت قرآنی بحور مقبول ہوئے۔ دیکھئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بحر سریع میں ہے اور مفتعلن مفتعلن فاعلات اس کا وزن ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ قال فما خطبک یا سامری بھی اس

وزن میں ہے۔ بحر عربی اور بالخصوص فارسی میں بکثرت مثنویاں یعنی الٰہی نامہ، جامی، فیضی وغیرہ نے اسی بحر میں طویل مثنویاں لکھیں۔ انا اعطینک الکوثر۔ بحر متدارک میں ہے۔ یعنی فعلن، فعلن، فعلن، فعلن۔ لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا۔ بحر رمل میں ہے۔ یعنی فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن۔ اس بحر میں بھی بہت سی مثنویاں لکھی گئیں۔ فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر۔ بحر طویل میں ہے۔ یعنی فعولن، مفاعیلن فعولن، مفاعیلن۔ واملی لھم ان کیدی متین۔ بحر متقارب میں ہے یعنی فعولن، فعولن، فعولن، فعول۔ تاللّٰہ لقد اثرک اللہ علینا۔ یہ بحر ہزج میں ہے۔ یعنی مفعول، مفاعیل، مفاعیل، فعولن۔ یوم التناد یوم تولون مدبرین اس کا وزن ہے۔ مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلان۔ لیقضی اللہ امراً کان مفعولاً کا وزن متفاعلن، فاعلن، مستفعلن، فعلن ہے۔ واللّٰہ یھدی من یشآءُ الیٰ صراط مستقیم٥ کا وزن مستفعلن مستفعلن، متفاعلن، مستفعلان ہے۔

قرآن پاک کی فصاحت وبلاغت کی مقبولیت کی وجہ سے اس آہنگ کا رواج عام ہوا اور عربی، ترکی، فارسی وغیرہ زبانوں میں ان بحور کا استعمال اس قدر مقبول ہوا کہ بڑے سے بڑا شاعر بھی ان کے استعمال کو اپنے لئے بلکہ ادب کے لئے بہت بڑی نعمت سمجھتا تھا۔

بحر نثر کے مرصع اسلوب کی تعمیر وتشکیل میں بھی قرآن پاک کی برکات نظر آتی ہیں:

(۱) مرجز (۲) مسجع یعنی مقفیٰ اور (۳) عاری

(۱) مرجز وہ نثر ہے جس میں دو فقروں کے اکثر کلمات ہم وزن ہوں۔ اس میں قافیے کی پابندی ضروری نہیں اور اگر یہ پابندی بھی ہو جائے تو نور علیٰ نور۔ قرآن پاک ایسی مرجز نثر سے پُر ہے۔ مثلاً

کلا بل تحبون العاجلۃ وتذرون الاٰخرۃ٥ وجوہ یومئذٍ ناضرۃ٥ الیٰ ربھا ناظرۃ٥ ووجوہ یومئذٍ باسرۃ٥ تظن ان یفعل بھا فاقرۃ٥

فارسی میں بھی مرجز نثر ملتی ہے۔ مثلاً: خیال ناظم بے تعلق قامت، دل ربائے ناموزون است وقیاس ناثر بے تمسک کاکل مو میانے نامربوط۔

لیکن مسجع اور مقفیٰ نثر قرآن پاک میں اس شان سے آتی ہے، کہ جو شخص عربی بھی نہیں جانتا، وہ بھی مزے لیتا ہے۔ مثلاً سورہ التکویر اس طرح شروع ہوتی ہے:

اذا الشمس کورت٥ واذا النجوم انکدرت٥ واذا الجبال سیرت٥ واذا العشار عطلت٥ واذا الوحوش حشرت٥ واذا البحار سجرت٥ واذا النفوس زوجت٥ واذا المؤدۃ سئلت٥ بای ذنب قتلت٥

مقامات حریری، مقامات حمیدی، اعجاز خسروی، نثر ظہوری، دریائے لطافت کے بھی بعض مقامات ایسی مسجع نثر کی تقلید میں ہیں۔ ان محاسن کے علاوہ صنائع وبدائع کا ایک وافر ذخیرہ قرآنی برکات سے مستفیض ہے۔ قرآن پاک کے ان محاسن کا ایک سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو ایشیا اور بالخصوص اسلامی دنیا کے ادب کا پس منظر صاف طور پر نظر آجائے گا۔ صنائع لفظی میں ایک مشہور صنعت تجنیس ہے۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً ایک قسم مزاوجہ ہے کہ الفاظ کے جوڑے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً:

وجزآء سیئة سیئة مثلهافمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدیٰ علیکم

ایک تجنیس تماثل ہے یعنی الفاظ ایک ہی اصل سے تعلق رکھتے ہوں۔ جیسے:

فروح وريحانٌ وجنی الجنتین دان

ایک قسم تجنیس تصحیف ہے جس میں دو الفاظ ایک جیسے لکھے جاتے ہیں لیکن ان کے نقطوں میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً: ان ربهم بهم   ولکنا کنا مرسلین   مذبذبین بین ذلک

تجنیس تصریف ایک صنعت ہے جس میں دو حرفوں کا اختلاف قریب المخرج ہونے کی وجہ سے ہے جیسے:

وهم ينهون عنه وينئون عنه۔

ایک تجنیس التعدیل کہلاتی ہے کہ دو لفظوں کے شروع، درمیان یا آخر میں کسی حرف کی کمی یا زیادتی ہو جیسے شروع میں کمی یا زیادتی: والتفت الساق بالساق الیٰ ربک یومئذ المساق ایک لفظ کا درمیانی حرف دوسرے حرف کے آخر میں آئے: (۲) ان تقول فرقت بین بنی اسرآئیل آخر میں کمی یا زیادتی: (۳) ثم کلی من کل الثمرات لفظوں کے درمیان میں فرق ہو: (۴) وانه علیٰ ذلک لشهید وانه لحب الخیر لشدید

ایک صنعت قلب یا انقلاب کہلاتی ہے۔ یعنی ایک لفظ کے حروف کو الٹ پلٹ کر کے دوسرا لفظ کر دیا جائے۔ اگر حروف کو ترتیب کے ساتھ پلٹا جائے تو اسے قلب کل کہتے ہیں۔ جیسے برق، قرب، عرش، شرع، رب، بر، نوع، عون وغیرہ۔ اس پلٹنے میں ترتیب ملحوظ نہ ہو تو اسے مقلوب بعض کہتے ہیں جیسے: علم، عمل، کلام، کمال، رحیق، حریق، حامی، ماحی، محروم، مرحوم وغیرہ۔ اگر ایک فقرہ یا مصرع ترتیب حروف کے ساتھ پلٹا جائے تو اسے مقلوب مستوی کہتے ہیں۔ جیسے: نون، تبت، الا، ادا، موہوم وغیرہ۔

کل فی فلک   ربک فکبر

قوامی مطرزی نے مقلوب مستوی میں فارسی میں خوب شعر کہا ہے:

رامش مرو گنج یاری وتوش
تو توی را بجنگ در شمار

فارسی کا یہ فقرہ بھی مشہور ہے:

شکر بترازد وزارت برکشر

ایک صنعت طباق کہلاتی ہے یعنی ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جو عموماً آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہوں جیسے:

اولٰئک الذین اشتروا الضلالة بالهدیٰ (البقرہ ۱۶)

تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسک (المائدہ ۱۱۶)

اومن کان میتاً فاحییناه (الانعام ۱۲۲)

رد العجز علی الصدر

کسی عبارت کے جزو اول کو صدر اور جزو آخر کو ضرب یا عجز کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ایسی متعدد مثالیں ہیں جہاں عجز کو صدر بنایا گیا ہے۔ مثلاً:

قال انی لعملکم من القالین

وهب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب

ولقد استهزئ برسل من قبلک فحاق بالذین سخروا منهم ما کانوا به یستهزءون ٥

انظر کیف فضلنا بعضهم علیٰ بعض وللاٰخرة اکبر درجٰت واکبر تفضیلاً ٥

امیر خسرو کہتے ہیں:

نبود اشب مرا سوز دعا تب   دل ار چہ بود ولیکن بدست خویش نبود

ولی کا شعر ہے:

دلربا آیا نظر میں آج میری خوش ادا !
خوش ادا ایسا نہیں دیکھا ہوں دو جا دلربا

صنعت تکرار۔ کبھی کبھی تکرار لفظی سے بھی کلام میں زور اور حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے سورۂ رحمٰن میں فبایّ اٰلآءِ ربکما تکذبٰن ٥ کے بار بار آنے سے صوتی حسن اور آہنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح متعدد مقامات ہیں۔ جیسے:

والسابقون السابقون اولٰئک المقربون ٥

الحاقة ما الحاقة وما ادرٰک ما الحاقة ٥

القارعة ما القارعة ٥ وما ادرٰک ما القارعة ٥

کلا سوف تعلمون ٥ ثم کلا سوف تعلمون ٥

فارسی اور اردو میں بھی ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں مثلاً داغ کا شعر ہے۔

ناروا کہیے ناسزا کہیے ۔ کہیے کہیے مجھے بُرا کہیے

صنعت التفات۔ یعنی کوئی بات کہہ کر فوراً معترض کا رد کر دیا جائے، جیسے:

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار۔۔۔(البقرہ۔۲۴)

پھر اگر تم نہ کرو اور البتہ نہ کرو گے تو ڈرو آگ سے۔۔۔

فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ۔(البقرہ۔۱۹۴)

پھر جس نے زیادتی کی تم پر تم اس پر زیادتی کرو۔

الم یروا کم اھلکنا من قبلھم من قرن مکّنّٰھم فی الارض مالم نمکن لکم (الانعام۔۶)

ترجمہ: ''کیا وہ نہیں دیکھتے کتنی ہلاک کیں ہم نے پہلے ان کی جماعتیں، ان کو جمایا تھا ہم نے ملک میں، جتنا کہ تم کو نہیں جمایا۔

تجاہل العارف۔ یعنی کوئی بات اس طرح کہی جائے، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہو کہ کہنے والا وہ بات نہیں جانتا، حالانکہ وہ جانتا ہے۔ مثلاً

ابشراً منا واحداً نتبعہٗ (القمر۲۴)

(پھر کہنے لگے کہ) کیا ایک آدمی ہم میں کا اکیلا؟ ہم اس کے کہے پر چلیں گے؟)

ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ۔(المائدہ۱۱۶)

(اے عیسیٰ! کیا تو نے کہا تھا لوگوں کو کہ ٹھہرا لو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود اللہ کے سوا!

ءانت فعلت ھذا بالھتنا یٰابراھیم (الانبیاء۶۲)

(بولے) کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں پر اے ابراہیم!)

ماھٰذا بشرًا ان ھٰذا الا ملکٌ کریمٌ٥

(نہیں یہ شخص آدمی، یہ تو کوئی فرشتہ ہے)

السلب والایجاب

(کسی بات کی نفی کر کے پھر کسی بات کے لئے ہاں کہنا)۔

فلا تقل لھما افٍ ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریماً (بنی اسرائیل ۲۳)

(پس تو نہ کہہ ان دونوں کو اُف اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان کو بات ادب کی)

فلا تخشون الناس واخشون ط (المائدہ۔۴۴)

ترجمہ: ''پس نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو''۔

لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون ٥ (التحریم۶)

ترجمہ: ''حکم عدولی نہیں کرتے اللہ کی، جو بات ان کو فرمائی گئی اور وہی کرتے ہیں جو حکم ہو''۔

پھر تشبیہات واستعارات، نیز ان کی اقسام، ان صنائع کے علاوہ ہیں اور ان کے متعلق بکثرت علماء کی کتابیں موجود ہیں۔ اور یہ وہ حقائق ہیں جن کا تعلق صرف حقائق والی کتاب (قرآن) سے ہے اور جس کی فصاحت وبلاغت کا لوہا آج بھی مانا جاتا ہے۔ زور بیان، انداز بیان، صوت وآہنگ، فنی اور عروضی نکات اسی صحیفہ مبارک کے طفیل میں بہت سی زبانوں میں جاری ہیں۔ حالانکہ قرآن کا تعلق شعر وادب سے نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر ادب سے اس کی سند لیتے ہی سے مستند بن جاتی ہے۔ اقبال نے سچ کہا ہے کہ:

ع نیست ممکن جز بقرآن زیستن